بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

سیّدعلی گیلانیؒ اور تحریکِ آزادیِ کشمیر

پروفیسر خورشید احمد

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ--- میرے نہایت ہی عزیز اور محترم بھائی سیّدعلی شاہ گیلانی کا یکم ستمبر ۲۰۲۱ء کو انتقال ایک عظیم سانحہ ہے۔ موت ہر شخص کا مقدر ہے، لیکن کچھ افراد کی موت زندگی کا پیغام لے کر آتی ہے اور گیلانی صاحب کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔

سیّدعلی شاہ گیلانی کی زندگی کا سب سے اہم پہلو مقصدیت اور یکسوئی ہے۔ جس چیز کو انھوں نے اپنی زندگی کا مقصد بنایا، یعنی اسلام سے شعوری وعملی وابستگی، اس کی دعوت اور اقامت، کشمیر کی آزادی، اسلام کی تقویت کے لیے پاکستان اور کشمیر کی یک جہتی اور پھر جس یکسوئی، جس بالغ نظری اور جس اعتماد کے ساتھ، عملی اور اخلاقی دونوں اعتبار سے انھوں نے اس مقصد کے لیے کام کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ پوری زندگی پر پھیلی اس طویل اور جان لیوا جدوجہد کے دوران قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کیں، برسوں جیل اور نظربندی میں گزارے۔ علاوہ ازیں انھوں نے صحافتی، تدریسی، پارلیمانی اور سیاسی محاذ پر بھرپور خدمات انجام دیں۔

پاکستان اور کشمیر کو وہ یک جان سمجھتے تھے۔ کشمیر کا مستقبل پاکستان اور صرف پاکستان سے وابستگی میں دیکھتے تھے، لیکن اس کی بنیاد علاقائیت نہیں بلکہ اسلام اور دوقومی نظریہ تھا۔ جموں و کشمیر پر بھارتی تسلط کو جس شخص نے سب سے زیادہ ہمت اور جرأت کے ساتھ چیلنج کیا، اور پھر اس کی آواز پر کشمیر کے نوجوانوں اور عوام نے اس کا ساتھ دیا، وہ علی گیلانی ہی تھے۔ یہ بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ کشمیر کی تحریک آزادی میں سیّدعلی گیلانی سے بڑا لیڈر کوئی نہیں ہے۔ بلاشبہہ ایک زمانے میں شیخ عبداللہ کشمیر میں مقبول قائد تھے، لیکن بالآخر انھوں نے اپنی ذات،

اپنی شہرت اور مناصب اور خاندان کے دُنیوی مستقبل کی خاطر ہندستان کے آگے سپر ڈال دی۔ شیخ صاحب نے جن کم سے کم مطالبات پر ہندستان سے معاملہ فہمی کی تھی، بعد میں خود ہی ان سب کو ترک کر دیا۔ اس طرح وہ ایک ناکام شخص کی حیثیت سے دُنیا سے رخصت ہوئے۔ سیّدعلی گیلانی اگرچہ اپنے خواب کی حتمی تعبیر تو نہ دیکھ سکے، لیکن اس حیثیت سے وہ ایک کامیاب انسان کی طرح سے دُنیا سے رخصت ہوئے کہ انھوں نے آخری لمحے تک جس چیز کو مقصدِ زندگی بنایا تھا، اس کے لیے جدوجہد کی، قربانیاں دیں اور کبھی کمزوری نہیں دکھائی اور اس مقصد سے وابستگان کی ایک مستعد اور متحرک نسل چھوڑ کر گئے ہیں۔

اس معاملے میں پاکستان کے ساتھ بھی ان کے تعلق کی نسبت جرأت اور مقصدیت پر مبنی تھی۔ جب جنرل پرویز مشرف نے بھارت کے ساتھ مل کر استصواب رائے (Plebiscite) کے عالمی سطح پر تسلیم شدہ اصول سے ہٹ کر اپنے ایک منصوبے کو آگے بڑھانے کی کوشش کی تو اس کو روکنے کے لیے سب سے جان دار آواز سیّدعلی گیلانی کی بلند ہوئی تھی۔ یہ شکر کا مقام ہے کہ جنرل مشرف سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جلد نجات دلا دی اور وہ نامراد منصوبہ خاک میں مل گیا۔ سیّدعلی گیلانی نے محض اس لیے کہ وہ پاکستان کے سربراہ تھے، ان کے رُوبرو کلمۂ حق بلند کرنے میں کوئی کمزوری نہیں دکھائی۔ مراد یہ کہ جس طرح انھوں نے بھارت کی حکومت و قیادت کو چیلنج کیا، اسی طرح پاکستان کی قیادت کے پایۂ ثبات میں تزلزل پر اسے بھی برملا چیلنج کیا اور کشمیری عوام کی اُمنگوں کی ترجمانی کی۔

سیّدعلی گیلانی ___ ایک نظریہ، ایک تحریک

آج سیّدعلی گیلانی محض ایک شخص کا نام نہیں، وہ سوا کروڑ مظلوم انسانوں کی پون صدی پر پھیلی ہوئی تاریخی جدوجہد کا عنوان اور سنہری علامت ہیں۔ انھوں نے ایک سرفروش قوم کی رہنمائی، اپنی آزادی کے حصول اور اپنے دین و ایمان اور اپنی روحانی اور تہذیبی شناخت کے تحفظ اور ترقی کے لیے ایک ایسی وحشی اور قابض قوت کے خلاف کم از کم ۷۶ برس سے پوری استقامت کے ساتھ یہ جدوجہد کی۔ ایسی قوت کہ جس نے عسکری یلغار اور سیاسی عیاری کے بل پر اہل جموں و کشمیر کو اپنا غلام بنا رکھا ہے اور دُنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکی، اور خود اپنے عہد و پیماں کو تار تار کر کے ان پر

اپنا ظالمانہ تسلط قائم کر رکھا ہے۔

اس استبداد کے نتیجے میں کشمیری صرف اپنی آزادی اور حق خودارادیت ہی سے محروم نہیں کردیے گئے، بلکہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ان کے جان ، مال، آبرو، اقدارِ حیات، تہذیبی اورنظریاتی تشخص،غرض ہرشے کوتہس نہس اور برباد کیا جارہا ہے۔ وہاں بڑے پیمانے پر انسانی حقوق کی پامالی اور بستیوں اور کھیتوں اور کھلیانوں کی تباہی روزمرہ کا معمول بن گئی ہے۔ جموں وکشمیر کی سرزمین پر مسلمانوں کے خون کی اس ارزانی کی کیفیت کونسل کشی (Genocide) کے سوا کسی اورلفظ سے تعبیرنہیں کیا جاسکتا۔لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر ایک طرف ظلم کی نہ ختم ہونے والی خوں چکاں داستان ہے تو الحمدللہ، دوسری طرف ظلم کے اس نظام کوچیلنج کرنے اور تاریکیوں کا سینہ چاک کرکے آزادی کا پرچم لہرانے اورسرفروشی کے چراغوں کو روشن کرنے کی تابناک اور روزافزوں جدوجہد بھی جاری ہے، جوصبحِ نو کی آمد کی نوید دے رہی ہے۔

اس تاریکی میں علم وعمل کا نُور بکھیرتے رہنا سیّدعلی گیلانی کی زندگی اورعصرِ حاضر کا ایک جذبہ انگیز باب ہے، جس سے واقفیت پاکر ہردل اپنے اندر ایک اُمنگ موج زن پاتا ہے۔ اس ضمن میں گیلانی صاحب کی خودنوشت ولّر کنارے میرے نزدیک ایک ایسی سوانح حیات ہے، جس میں سیّدعلی گیلانی کی مقصدیت سے بھرپور مگر ہنگامہ خیز زندگی کی داستان رقم ہے۔ اس آئینے میں پوری کشمیری قوم کی روح پرور اور ایمان افروز مگر نشیب وفراز سے بھرپور زندگی کی مکمل تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ انھوں نے ہمیں اپنی زندگی سے روشناس کراتے ہوئے درس دیا ہے کہ:

جو غم ہمیں ملا ، غمِ دوراں بنا دیا

سیّدعلی گیلانی ۳۳ کتابوں کے مصنف ہیں، لیکن ان کی خودنوشت ایک منفرد علمی اور ادبی کاوش ہے۔ امرواقعہ ہے کہ خودنوشت ایک سب سے زیادہ نازک، حساس اور مشکل صنف ہے کہ اس میں کہیں پوری داستان 'در مدح خودمی گوید' کی گردان بن جاتی ہے اور کہیں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں سب کچھ ہوتا ہے، مگر شخصیت کی اصل تصویر گم ہی رہتی ہے۔ لیکن سیّدعلی گیلانی کی خودنوشت میں ان کی اصل شخصیت اپنی تمام تر تابانی کے ساتھ چلتی پھرتی دیکھی جاسکتی ہے۔ صرف ان کا ظاہر ہی نہیں بلکہ باطن بھی کسی تصنع اور پردہ داری کے بغیر دیکھا اور پہچانا جاسکتا ہے۔

سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کی داستان کا اصل محور ان کی اپنی ذات نہیں بلکہ وہ مقصدِ حیات ہے جس نے ان کی زندگی کو معنویت دی ہے۔ اس داستان کی بے ساختگی، ان کی زندگی کی سادگی، ظاہر اور باطن کی یکسانی، مصائب اور مشکلات پر صبر واستقامت، ورق ورق پر ثبت ہے۔ صاف دیکھا جاسکتا ہے کہ پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے مقصدِ حیات کی خدمت، اور زمانے کے تمام نشیب وفراز کا حکمت، دیانت، حلم اور توازن کے ساتھ سامنا ان کی شخصیت اور جدوجہد کو ایسا حُسن عطا کرتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام کہا جاسکتا ہے۔ خود پسندی، نفس کی پرستش، انتقام اور حُبِ دُنیا کا کوئی شائبہ اس زندگی میں نظر نہیں آتا۔

ع مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

مجھے محترم سیّدعلی گیلانی سے صرف تین بار ملنے کا موقع ملا ہے۔ ایک بار کھٹمنڈو، نیپال میں ملا تھا۔ دوبار یہ سعادت حرمِ کعبہ کے زیرسایہ حاصل ہوئی، جس میں ایک مرتبہ عمرہ کے دوران اور دوسری بار حج بیت اللہ کے موقعے پر۔ ان ملاقاتوں میں گھنٹوں تفصیلی بات چیت ہوئی۔ ان گفتگوؤں میں مَیں نے انھیں ایک بندۂ مومن، سچا انسان اور ایک مخلص رہنما پایا۔ ان کی تحریروں کا خاصا حصّہ میری نظر سے گزرا ہے۔ اگرچہ ان کی تحریر اور تقریر دونوں اس پہلو سے متاثر کن رہی ہیں کہ وہ فکری صحت کے ساتھ ساتھ حُسنِ خیال اور حُسنِ بیان کا بہترین مرقع ہیں۔ درحقیقت گیلانی صاحب کی زندگی ایک شخص کی زندگی کے آئینے میں ایک عہد اور ایک عہد آفریں جدوجہد کی داستان ہے۔

دعوت اور داعی کی زندہ مثال

ان کی سادہ زندگی، اہلِ خانہ سے گہری محبت، خوش کن لمحات میں تشکر اور مصیبت اور رنج وغم کے موقعوں پر صبروتحمل، وسائل کی تنگی اور مشکلات کی یلغار کی صورت میں بھی مایوسی، غصے اور فرار سے گریز، اوقاتِ کار میں ڈسپلن اور تحریکی اور سیاسی مصروفیات کے ازدحام کے باوجود نجی معاملات میں دل چسپی اور ذمہ داری اور تعلقات کو نبھانے کی مسلسل سعی ___ یہ کردار کے وہ پہلو ہیں جو مسلم معاشرے کا طرۂ امتیاز رہے ہیں اور نئی نسلوں کی طرف ان کو منتقل کرنا گیلانی صاحب کی نسل کی ذمہ داری تھی، جسے انھوں نے بڑے سلیقے سے اس طرح پورا کیا ہے کہ وہ بہت کچھ جو 'حجاب' تھا 'پردہ ساز' بن کر جلوہ گر ہے۔

گیلانی صاحب کی شخصیت کا ایک بڑا متاثر کن پہلو ذاتی تعلقات اور انسانی بنیادوں پر دوست اور دشمن سبھی سے تعلق خاطر اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادایگی کا خاص اہتمام ہے۔ مخالفین کی خوبیوں کا اعتراف اور اپنوں کی کمزوریوں پر بے جا پردہ ڈالنے یا ان کے دفاع کی کوشش سے اجتناب بڑا جان دار پہلو ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بے جا تجسس، چغلی، غیبت اور دوسروں پر اپنی برتری کے اظہار سے بھی ان کا دامن پاک رہا ہے۔

شیخ عبداللہ سے سیاسی اختلاف کو انھوں نے ذاتی مراسم میں بگاڑ کا سبب نہیں بننے دیا۔ گیلانی صاحب نے سیاسی اور نظریاتی میدان میں شیخ صاحب پر بھرپور تنقید کی ہے، مگر ان کے مثبت رویوں، ان کے ہاں مشرقی اور خاندانی روایات کے اہتمام کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ اسی طرح سخت شدید مخالفین کے غم اور دُکھ درد میں شرکت سے اپنے کردار کی عظمت کا ثبوت دیا ہے اور یہی وہ طریقہ ہے جس کی خود قرآن نے تلقین کی ہے، یعنی اخلاقِ نبویؐ ہے:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ (حم السجدہ ۴۱:۳۴) اور اے نبیؐ، نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمھارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔

قرآن سے گیلانی صاحب کا گہرا تعلق اور زندگی کے ہر مرحلے اور ہر موقعے پر قرآن کریم سے استشہاد کا نقش ان کی تحریر اور تقریر پر بڑا نمایاں ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے بارے میں مولانا سیّد سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ الہلال نے ہم پر یہ راز فاش کیا کہ قرآن ہمارے دور کے ہر مسئلے کے بارے میں بھی ایسی رہنمائی دیتا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے، جیسے یہ ہدایت آج ہی نازل ہورہی ہے۔ گیلانی صاحب کی تحریر اور تقریر کا یہ کرشمہ ہے کہ ان میں ہر موقعے پر قرآن کی روشنی کا ہالہ نظر آتا ہے اور تفہیم القرآن کی تشریح اس کو نُورٌ علٰی نُور کا رنگ دے دیتی ہے۔

فکری ترجمانی

سیّد علی گیلانی کی زندگی پر جن دو شخصیات کے اثرات سب سے زیادہ نمایاں ہیں، وہ

علّامہ محمد اقبالؒ اور مولانا سیّدابوالاعلیٰ مودودیؒ ہیں۔ بجاطور پر یہ دونوں حضرات بیسویں صدی میں اسلامی احیا کے صورت گر ہیں۔ اقبالؒ نے فکر اور جذبہ دونوں کو صحیح راہ پر لانے کی تاریخ ساز کوشش کی اور سیّد مودودیؒ نے اسلام کے حقیقی وژن کو مسکت عصری دلائل کے ساتھ پیش کر کے نئی نسل کو اسلام کا صحیح شعور دیا اور اُن کو اسلام کے قیام کی جدوجہد کی انقلابی راہ بھی دکھائی۔ اس طرح نہ صرف فکری اور نظریاتی رہنمائی فراہم کی بلکہ اسلامی احیا کی جدوجہد کو برپا کر کے پوری اُمت کے لیے ایک روشن اور کشادہ شاہراہ کھول دی۔ سیّد مودودیؒ کی تحریریں زندہ اور جاوید اس لیے ہیں کہ ان کے پیچھے صرف فکر کی پختگی اور حُسنِ خیال کے ساتھ بلاغت اور اعجاز کا کمال ہی نہیں بلکہ کردار کی عظمت اور قول وفعل کی یکسانی بھی کارفرما ہے۔ ایسی تحریر اور تقریر نہ صرف زندہ رہتی ہے بلکہ دوسروں کو زندگی دیتی ہے اور مخالفت کے طوفان بھی نہ اسے محو کر سکتے ہیں اور نہ محدود۔

ایک روشن تحریکی زندگی

گیلانی صاحب کی زندگی کا ایک اور بڑا روشن پہلو یہ ہے کہ ان کے ہاں دعوتی اور تحریکی زندگی اور اس کے تقاضوں کا بڑا حسین امتزاج ہے۔ دعوتِ حق کو دل کی گہرائیوں سے قبول کرنے اور تحریک کے نظم سے رشتہ استوار کرنے کے بعد انسان میں کیا تبدیلی آنی چاہیے اور اسے کس طرح زندگی کے پورے طول وعرض میں جاری وساری ہونا چاہیے، خواہ وہ ایک کارکن کی ذمہ داری ادا کر رہا ہو یا قائد کی۔ اس کے چار پہلو سیّد علی گیلانی صاحب کی زندگی اور جدوجہد میں نمایاں ہیں:

- حصولِ علم کی نہ ختم ہونے والی لگن جسے ذاتی تعمیر وترقی بھی کہا جاتا ہے۔
- ابلاغ اور دعوت کا اہتمام، خواہ کہیں بھی ہو اور موقع ومحل کی مناسبت سے اپنے پیغام کو حکمت اور جرأت کے ساتھ بیان کرنا اور اس کا موقع نکالنا۔
- حصولِ علم اور ابلاغ کے ساتھ خوش خُلقی، انسانی خدمت، دوسروں کے دُکھ درد میں شرکت اور ان کو مادی اور اخلاقی ہر دو اعتبار سے اُوپر اُٹھانے کی جدوجہد کی فکر اور اس میں انہماک۔
- نوجوانوں میں دعوت وتربیت پر خصوصی توجہ کہ مستقبل کی طاقت کا وہی سرچشمہ ہیں۔

یہ چار عناصر انسان کو داعی بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

مسئلہ کشمیر کے پشتی بان

گیلانی صاحب نے اپنی ساری زندگی میں کشمیر کے مقدمے کو بڑے سلیقے اور محکم دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کا سیاسی اور دینی پہلو ان کے یہاں ایک ہی سکّے کے دو رُخ ہیں، جن کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

کشمیر کے مقدمے کا بہترین مرقع گیلانی صاحب کا وہ خط ہے، جو انھوں نے بھارت کے ایک وزیراعظم وی پی سنگھ کو ۳۱ دسمبر ۱۹۸۹ء کو لکھا تھا۔ یہ خط سنہری حروف سے لکھنے کے لائق ہے۔ کشمیر کا مقدمہ پیش کرنے سے پہلے انھوں نے اسلام کی دعوت اور پیغام کو اختصار لیکن پوری دیانت اور حکمت سے بیان کیا ہے۔ اس میں بالکل وہی طریقہ اختیار کیا، جو حضرت یوسفؑ نے جیل میں خواب کی تعبیر بیان کرنے سے پہلے ربّ کی عظمت اور بندگی کی دعوت دی تھی۔ اسی طرح کشمیر کی قانون ساز اسمبلی سے 'مسلم متحدہ محاذ' کے نمایندے کے طور پر اپنے رفقا کے ساتھ جو استعفا انھوں نے ۳۰/اگست ۱۹۸۹ء کو دیا تھا، وہ بھی ان کے موقف کی ترجمانی کا شاہ کار ہے۔ سیاسی میدان میں گیلانی صاحب نے جس حکمت اور فراست سے نازک ترین معاملات کو نبھایا ہے، اس کے اجروثواب کے لیے دل سے بہترین دُعائیں نکلتی ہیں۔

مقصد کی لگن اور ترجیحات کا صحیح ادراک کامیاب قیادت اور سیاست کے لیے ضروری ہے۔ مخالفین سے معاملہ کرنے سے بھی زیادہ مشکل کام ان لوگوں کے ساتھ چلنا اور ان کو اپنے ساتھ چلانا ہے، جو جزوی اتفاق کے ساتھ بڑے بڑے معاملات پر اختلافی رائے رکھتے ہیں۔ اس میں گیلانی صاحب ہر اچھے سیاست دان کی طرح کبھی کامیاب ہوئے اور کبھی ناکام، لیکن جس طرح انھوں نے مشترکات کی خاطر دوسروں کو ساتھ لے کر چلنے کی کوشش کی، وہ ایک قابلِ تقلید اور روشن مثال ہے۔

جمہوری عمل کی ناکامی کے بعد تحریکاتِ آزادی کا تحریکِ مزاحمت میں تبدیل ہونا ایک بڑا نازک مسئلہ ہے۔ بند دروازوں کو توڑنے کے لیے قوت کے ناقابلِ تصور عدم تناسب کے باوجود کسی نہ کسی درجے میں متوازی قوت کا استعمال ایک حد درجہ حساس معاملہ ہے۔ بلاشبہہ اس سلسلے میں کم از کم دوسو سال کی تاریخ گواہ ہے کہ مغربی سامراج کے مقابلے میں ایک خاص مرحلے پر

معروف جمہوری قوتوں اور تحریکات نے بھی مجبور ہوکر جمہوری طریقوں سے ہٹ کر ایک صحیح کاز اور حصولِ آزادی کے لیے راست اقدام اُٹھائے ہیں۔ خود برعظیم میں بھگت سنگھ [م: ۱۹۳۱ء] اور سبھاس چندر بوس [م: ۱۹۴۵ء] کی مثالیں آج بھی کانگریس کی تحریکِ آزادی کی جدوجہد کا قابلِ فخر حصّہ قرار دی جاتی ہیں۔ اقوام متحدہ کی سو سے زیادہ رکن ریاستیں وہ ہیں، جن کی آزادی میں عسکری جدوجہد کا بھی حصّہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ استعماری غلبے کے خلاف عسکری جدوجہد کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 'دہشت گردی' (Terrorism) تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن حالیہ دور میں اور خصوصیت سے نائن الیون [۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء] کے بعد اس سلسلے میں جنگِ آزادی اور دہشت گردی کے درمیان تسلیم شدہ فرق کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

گیلانی صاحب نے کشمیر کی جدوجہد کے پس منظر میں اس نازک مسئلے پر بڑے اعتدال اور دانش مندی کا ثبوت دیا ہے۔ دونوں کے جوہری فرق کو دلیل کے ساتھ واضح کیا ہے۔ جائز اور ناجائز حدود کی وضاحت کی ہے۔ ان اسباب کی نشان دہی کی ہے، جن کی وجہ سے آزادی کے متوالے دوسرا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ پھر ان حدود کو بھی نمایاں کیا ہے جن کا احترام اس پُرخار راستے کو اختیار کرنے کے باوجود ازبس ضروری ہے۔ انھوں نے یہ سب اسلام کے تصورِ جہاد اور آدابِ جہاد کے نظامِ فکر کی روشنی میں نمایاں کیا ہے، جس کا ادراک گیلانی صاحب کو نوجوانی ہی سے ہوگیا تھا اور جس کا اظہار طالبِ علمی کے دور میں ہی گاندھی جی کے عدم تشدد کے موضوع پر سری نگر میں منعقدہ ایک مباحثے میں انھوں نے کیا تھا۔

قید و بند کی آزمایش

محترم گیلانی صاحب کو اپنی طویل تحریکی اور سیاسی جدوجہد میں مخالفت و مخاصمت، قید و بند، تشدد اور تعذیب کے جن مراحل سے گزرنا پڑا، ان سب آزمایشوں میں اللہ کے فضل و کرم سے وہ جس صبر و ثبات سے اپنے موقف پر قائم رہے، حد درجہ ناسازگار حالات میں بھی دعوت کے لیے راستے تلاش کرتے رہے، وہ سیاست اور دعوت کے تمام طالب علموں کے لیے روشنی کا مینار ہے۔ ان کے خلاف جسمانی تشدد سے لے کر نفسیاتی دہشت گردی تک کے تمام حربے اربابِ وقت اور سیاسی مخالفین نے آزما لیے۔ جب ظلم کے ہتھیار کارگر نہ ہوئے تو ترغیب کے حربے بھی استعمال

کیے گئے اور وزارت اور ایک موقعے پر وزارتِ اعلیٰ تک کا لالچ بھی دیا گیا، مگر الحمدللہ، پوری زندگی میں ان کے پایۂ ثبات واستقلال میں کوئی ضُعف نہیں آیا۔

نئی نسل کے لیے ایک مثالی کردار

نئ نسل کے لیے گیلانی صاحب ایک رول ماڈل ہیں۔تحریکِ اسلامی کی نئ نسل کو دعوتِ حق کے مقاصد، مشن اور اس کے لائحۂ عمل اور مزاج سے روشناس کرانے کے لیے گیلانی صاحب کی حیات وخدمات کا مطالعہ ایک بہترین عملی ذریعہ ہے۔

ہمارے لیے زندگی گزارنے کا اصل نمونہ صرف رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک اور آپؐ کا اسوۂ مطہرہ ہے، لیکن یہ بھی اسی اسوۂ حسنہ کا کمال ہے کہ جس دور میں بھی جس نے آپؐ کے دامن سے نسبت کرلی، وہ خود بھی ایک روشن چراغ بن جاتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں کبھی کبھی بڑے نازک مقامات بھی آتے ہیں، ان میں کوئی بھی انسان سہووخطا سے پاک نہیں ہوسکتا لیکن بحیثیت مجموعی محترم گیلانی صاحب کی زندگی پوری یکسوئی اور تسلسل کے ساتھ، مقصد سے لگن اور وفاداری کے ساتھ بندھی نظر آتی ہے۔ اگر کہیں کوئی بھول چوک ہوئی ہے تو انھوں نے اسے درست کرنے کی مخلصانہ کوشش کی۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے سیّدعلی گیلانی صاحب کی مغفرت فرمائے۔ ان کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے، اُس کے پُر ہونے کا کوئی سامان پیدا کرے۔ سب سے اہم چیز یہ ہے کہ وہ جدوجہد جس کے لیے انھوں نے اپنی زندگی قربان کردی، وہ جدوجہد کامیاب ہو۔ میں نے تاریخ کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے اس بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ خصوصیت سے ۱۹۸۰ء کے بعد سے تحریکِ آزادیِ کشمیر جس طریقے سے آگے بڑھ رہی ہے، وہ ان شاءاللہ کامیاب وکامران ہوگی اور بھارت کے تسلط سے ہمارے کشمیری بہن بھائی نجات پائیں گے اور پاکستان اور کشمیر یک جان ہوں گے۔

کرنے کا کام

مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں اپنے رفقا سے بسا اوقات اس قسم کی باتیں سنتا ہوں کہ 'ہمارے لیے کرنے کا کام کیا ہے؟' میں پوچھتا ہوں کہ:

● کیا اپنی تمام کمزوریوں کو آپ دُور کر چکے ہیں' اور اپنے نفس کو کامل طریقے پر اللہ کا بندہ بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں؟ ● کیا اپنی زندگی کو جاہلیت کے ہر شائبے سے آپ پاک کر چکے ہیں؟ ● کیا اُن تمام حقوق کی ادائیگی سے بھی آپ فارغ ہو چکے ہیں، جو اللہ اور اس کے دین کی طرف سے آپ کے دماغ پر، آپ کے دل پر، آپ کے اعضا و جوارح پر، آپ کی ذہنی وجسمانی قوتوں پر اور آپ کے مملوکہ اموال پر عائد ہوتے ہیں؟ ● اور کیا آپ کے گرد و پیش کوئی انسان بھی خدا سے غافل یا گمراہ یا دینِ حق سے ناواقف یا اخلاقی پستیوں میں گرا ہوا نہیں رہا ہے، جس کی اصلاح کا فرض آپ پر عائد ہوتا ہو ـــــ ؟

اگر ایسا نہیں ہے تو آپ کے اندر یہ تخیل آ کہاں سے گیا کہ آپ کے لیے کرنے کا کوئی کام نہیں رہا ہے اور اب آپ کو کچھ اور کام بتایا جائے، جس میں آپ مشغول ہوں۔ یہ سارے کام تو ان ہوئے پڑے ہیں جو آپ سے ہر وقت کا شدید انہماک چاہتے ہیں، اور اگر آپ ان کو اس طرح انجام دینا چاہیں جیسا کہ ان کا حق ہے تو آپ کو ایک لمحے کے لیے دم لینے کی فرصت بھی نہیں مل سکتی۔

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

(رُوداد جماعت اسلامی، اوّل)

عطیۂ اشتہار: صوفی بابا